فیض احمد فیضؔ اور تہذیب و ثقافت کے مباحث

نبیل احمد نبیل

ABSTRACT:

This article presents the debate of culture and civilization in context to the critical thinking and concepts of Faiz Ahmad Faiz. The article introduces culture and civilization, national culture and Pakistani culture, ingredients, possible forms and issues of Pakistani culture. The culture of every nation consists of its values, beliefs, traditions, way of life, norms, language, religion, literature, art and technology. All these aspects of culture are strongly correlated to eachother and are evolved through intermingling of societies having a history of several centuries. The major characteristics of a national culture or civilization are its history, geographical boundaries and the diffusion of culture in the society. There are several issues like the identity of civilization and the formation of social system where the diffences between the rich and the poor may possibly be minimized and hence the Marxist approach of Faiz Ahmad Faiz may be observed. In this article, the views of Faiz regarding culture and civilization have been presented with critical analysis.

فیض احمد فیضؔ کا معتبر حوالہ تو ترقی پسند ممتاز و منفرد شاعر کا ہے اور اس کے ساتھ ان کا اختصاص یہ ہے کہ انھوں نے تہذیب و ثقافت پر مضامین حوالۂ قلم کیے۔ ان کا تہذیب و ثقافت دلچسپی کا میدان ہے۔ اُنھوں نے تہذیب و ثقافت پر بنیادی طور پر تین حوالوں سے بحث کی ہے۔ سب سے پہلے اُنھوں نے تہذیب و ثقافت، جسے وہ ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں، کو وضاحت سے بیان کیا ہے، پھر پاکستانی کلچر کے اجزا پر روشنی ڈالی ہے اور آخر میں پاکستانی کلچر کے مستقبل میں امکانات پر بحث کی ہے۔ فیضؔ کے نزدیک اُردو زبان میں کلچر کا متبادل لفظ ثقافت

کچھ عرصہ پہلے ہی رائج ہوا۔ لفظ تہذیب چوں کہ پرانا ہے، اِس لیے وہ کلچر کے متبادل کے طور پر اُردو زبان میں تہذیب کو ہی استعمال کرتے ہیں۔فیضؔ کے خیال میں جن اِصطلاحات کا تعلق معاشرے کے ساتھ ہوتا ہے،اُن کے استعمال میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔اِس ضمن میں وہ آرٹ، انڈسٹری، کلاس اور ڈیما کریسی جیسے الفاظ کی مثال پیش کرتے ہیں، جن کا استعمال اور مفہوم معاشرے میں وقتاً فوقتاً تبدیل ہوتا رہا ہے۔کلچر یا تہذیب کا تعلق بھی چوں کہ معاشرے کے ساتھ ہے،اِسی وجہسے اِس کے استعمال میں بھی وقت کے ساتھ تبدیلی آئی ہے،یعنی اِس میں قطعیت نہیں پائی جاتی۔کلچر کے مفہوم کو فیضؔ نے تین مختلف پہلوؤں کی مدد سے بیان کیا ہے۔پہلے وہ شخصی پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہیں ، جس میں اُنھوں نے کلچر کو فرد کی صفت کے طور پر بیان کیا ہے۔دوسرے پہلو میں وہ آرٹ یا فن کی بات کرتے ہیں،جس میں اُنھوں نے شعر و ادب، مصوری اور فنِ تعمیر کو شامل کیا ہے۔تیسرے اور آخری پہلو میں وہ رہن سہن کے طریقوں پر روشنی ڈالتے نظر آتے ہیں، جس میں اُنھوں نے رسم و رواج، لباس اور غذا کو شامل کیا ہے۔اِن تینوں پہلوؤں کو مجموعی طور پر فیض نے کلچر کا نام دیا ہے۔

کلچر کی تعریف کرتے ہوئے فیضؔ لکھتے ہیں:

> ''کلچر کی دو صورتیں ہیں، دو شکلیں ہیں۔ایک اُس کی ظاہری صورت اور دوسری اُس کی باطنی صورت۔باطنی صورت وہ ہے، جسے ہم ذہنی کہہ سکتے ہیں،ظاہری صورت سے آگے بھی دو پہلو یا اِس کے دو اجزا ہیں۔ایک اِس کا شعوری جزو ہے اور دوسرا اِس کا غیر شعوری جزو۔''(۱)

ڈاکٹر جمیل جالبی کلچر کے متعلق لکھتے ہیں:

> "Culture, more precisely, may be defined as a social order in all its totality. This includes traditions, history, customs, manners, language, dress and other social traits as grow under certain geo-physical environment. Besides this, all spheres of life related to body and mind , whether material, moral or spiritual, including traditional and non-traditional educational values form part of culture. All these elements go to make the individual and the society, with all its hearings of thought and action, conduct and behaviour. Culture, therefore, connotes the entire range of a society's make-up, such as religion, faith, morals, customs, laws, learning, arts, crafts, hobbies and leisure, which a man acquires as a member of society, and whose use and adoption enables the

different and sometimes dissimilar individuals and groups to develop common interests and acquire common appearance and traits."(2)

باطنی یا غیر مرئی پہلو میں فیضؔ نے روایتی تصورات، عقائد، اقدار اور جذبات کو شامل کیا ہے۔ اِن خصوصیات کا فرد کی زندگی میں اظہاراُن کے نزدیک ظاہری یا مرئی پہلو ہے، جسے وہ مزید دو پہلوؤں میں بیان کرتے ہیں۔ پہلا غیر شعوری یا ناتراشیدہ پہلو ہے، جس میں وہ way of life کو شامل کرتے ہیں، جو کہ زبان، لباس، غذا، رہائش کے طریقے، رسم و رواج اور آپسی میل جول پر مشتمل ہے۔ دوسرا شعوری یا تراشیدہ پہلو ہے، جس میں فیضؔ نے فنون کو شامل کیا ہے، جو کہ شعر و ادب، مصوری اور فنِ تعمیر پر مشتمل ہے۔ قومیت کا تصور بہت زیادہ پرانا نہیں ہے۔ اِس کی تاریخ کچھ اڑھائی سو سال پرانی ہے۔ قومیت کے تصور کو جغرافیائی حدود کے تناظر میں بیان کیا جاتا ہے۔ جب کلچر اور قومیت کے تصور کو اکٹھا کیا جاتا ہے، تو ہم اِسے قومی کلچر کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ فیضؔ نے قومی کلچر کے تین پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ایک پہلو کو وہ طول کا نام دیتے ہیں، جس میں قوم کی تاریخ کو شامل کرتے ہیں۔ دوسرے پہلو کو وہ عرض کا نام دیتے ہیں، جس میں جغرافیائی حدود کی بات کرتے ہیں اور تیسرے پہلو کو اُنھوں نے گہرائی کا نام دیا ہے، جس میں وہ معاشرے میں کلچر کے نفوذ، اِس کی رسائی اور مقبولیت کی بات کرتے ہیں۔ قومی کلچر یا تہذیب کی بات کرتے ہوئے فیضؔ اُس قوم کی تاریخ، جغرافیے اور معاشرت کو بھی شامل کر لیتے ہیں۔

قومی کلچر کے بارے میں T. S. Eliot لکھتے ہیں:

"A national culture, if it is to flourish, should be a constellation of cultures, the constituents of which, benefiting each other, benefit the whole."(3)

تہذیب کی تعریف کا تعین کرتے ہوئے فیض احمد فیض لکھتے ہیں:

''رہن سہن کے آداب کے علاوہ اخلاق اور فنون کی ترقی یافتہ صورت کے اجزا...... جس کو ہم اسلامی تہذیب کہتے ہیں۔ یہ بہت سی تہذیبیں ہیں کیوں کہ ان میں قدرِ مشترک دینِ اسلام ہے۔ مثال کے طور پر ہسپانیہ میں اُموی تہذیب پیدا ہوئی اور مصر میں فاطمی تہذیب پیدا ہوئی۔ ایران میں صفوی تہذیب نے سر اُٹھایا۔ ہندوستان میں مغلئ تہذیب نے اور ان تہذیبوں کے عناصر پر اگر آپ غور کریں تو اس میں غرناطہ اور قُرطبہ کے محلّات بھی شامل ہیں۔ اس میں عباسیہ اور محمد علی کی مساجد بھی شامل ہیں۔ ابو اسحاق اور تان سین کی موسیقی بھی شامل ہے۔ بہزاد اور منصور کی تصویریں بھی شامل ہیں۔ اس میں ایران کی قالین بافی بھی شامل ہے۔ ڈھاکہ کا ململ بھی۔ اس میں شلوار قمیض، تہبند، جلباب، قماشہ، عبا اور عمامہ تمام

چیزیں شامل ہیں، لیکن یہ چیزیں کسی ایک تہذیب کا حصہ نہیں ہیں کیوں کہ ہر جگہ جہاں جہاں دینِ اسلام پہنچا، وہاں پر جو مقامی تہذیب رائج تھی۔ اس سے مرکب ہو کے نئی تہذیب نے جنم لیا جو اُس علاقہ، ملک اور قوم کی تہذیب قرار پائی اور یہ ساری تہذیبیں مختلف اسلامی تہذیب رہی ہیں اور ہماری جو اسلامی تہذیب ہوگی۔ وہ پاکستانی اسلامی تہذیب ہوگی۔ وہ مصری، ایرانی، ملیشیائی تہذیب نہیں ہوگی۔ وہ ہماری اپنی وطنی تہذیب ہوگی۔"(۴)

Mohandas Moses & Achala Moulik لکھتے ہیں:

"Civilization grows out of energy and ambition, bursts of creativity, a need for identity, answers to the riddle of existence, and finally the quest for permanence not merely in presesnt time and space but beyond."(5)

فیض احمد فیض نے تہذیب اور ثقافت کے حدود میں امتیاز نہیں کیا۔ تہذیب کا تعلق بنیادی طور پر علم البشریات کے ماہرین کے نزدیک خارجی اور مادّی زندگی کے لوازمات سے ہے۔ تہذیب سے خارجی مظاہر کی عکاسی ہوتی ہے۔ تہذیب سے کسی معاشرے کی ظاہری ترقی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ تہذیب کا تعلق داخلی عناصر و عوامل اور اجزا سے نہیں ہے۔ امیر خسرو کی موسیقی اور تان سین کے راگوں کا تعلق تہذیب کے بجائے کلچر سے ہے۔ تہذیب کی اصل دراصل اصولِ حقیقت سے متعین ہوتی ہے۔ اسلامی تہذیب کے اُصول و معیارات کی اساس جامعیت کو قرار دیا جانا مناسب ہے۔ اسلامی تہذیب اشیا اور انسانوں کو ایک اُصولِ وحدت میں لاکر کلیت عطا کرتی ہے۔ کسی ایک ہیئت کا تعین نہیں کرتی۔ دنیا کی تہذیبیں انسانی اور الوحی حقائق کے متنوع پہلوؤں کو الوحی تدبیر کی رو سے مقدم خیال کرتی ہیں۔ اسلام تہذیبی اُصول و معیارات میں کثرت میں وحدت کے اُصول کو اہمیت دیتا ہے۔ اسلام میں اوتار کا تصور نہیں ہے بلکہ نبوت کا عقیدہ اور تصور مقدم ہے۔ ہندوستان کی اسلامی تہذیب کی روح رسالتِ محمدیہؐ ہے۔ ہندوستان کی اسلامی تہذیب کے مظاہر پر صوفیا کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر کلچر کے تصورات کا جائزہ لیا جائے تو موسیقار اور شاعر براہِ راست صوفیا کے ساتھ رشتہ قائم کیے ہوئے تھے اور تہذیبی حوالے سے فنِ تعمیر سے متعلق معمار بھی صوفیا کے ساتھ اپنا تعلق قائم کیے ہوئے تھے۔ اس کی مثالیں مغلیہ تہذیب کے فنِ تعمیر کی صورت میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اُردو شاعری میں تصوف کی مثال خواجہ میر درد اور اس ساج میں تصوف سے خواجہ میر درد کے والد خواجہ ناصر عندلیب کا تعلق جنھوں نے خواجہ میر درد کی تصوف کے راستے پر تربیت کا فریضہ انجام دیا۔ مرزا مظہر جانِ جاناں کی رہایش پر ہر مہینے کی پندرہ تاریخ کو مجلس منعقد ہُوا کرتی تھی۔ پھر یہی مجلس خواجہ میر درد اور بعد میں میر تقی میرؔ کی رہایش پر منعقد ہونے لگی۔ تہذیبوں میں لین دین کا عمل ہوتا ہے مگر ایجادات و اختراعات اور تخلیقی فنِ تعمیر میں بھی تنوع پیدا ہوتا رہا۔ ہسپانیہ میں مسلمانوں نے کم و بیش ساڑھے آٹھ سو سال حکمرانی کی۔ اس طرح وہاں کے فنِ تعمیر کے اثرات لاہور اور دہلی کی عمارتوں کی صورت میں بھی قدرے مماثلت پائی جاتی

ہے مگر ایسا بالکل بھی نہیں ہے کہ بعینہٖ نقشے ایک جیسے ہوں۔ تہذیبوں کا تعلق مادّی اشیا اور مختلف ممالک کی خارجی دنیا کے اظہار سے ہوتا ہے۔ خارجی مظاہر کو دیکھنے سے سامنے کا فرق محسوس کیا جاسکتا ہے۔ جس طرح تہذیبوں میں لین دین کا سلسلہ صدیوں اور زمانوں کی معاشرتی زندگی پر پھیلا ہوا ہے۔ ایسی ہی صورتِ حال کلچر کے سلسلہ میں بھی ہے۔ تاج محل، مسجدِ قرطبہ، امیر خسرو، حافظ یا خیام تو اسلامی کلچر اور تہذیب کی یادگاریں ہیں۔ وہ معمار، فنکار جنھوں نے عالی شان انداز سے فنِ تعمیر کی اعلیٰ یادگاریں تعمیر کیں۔ وہ اپنے معاشرے کے بہترین فنکار، تخلیق کار تھے۔ انھوں نے اقدار، اعلیٰ ترین جذبات اور محسوسات کی ترجمانی کی ہے۔ یہاں تاج محل مغل تہذیب کی یادگار ہے اور مسجد قُرطبہ اسپین میں اُموی تہذیب کی یادگار ہے۔ جب کہ امیر خسرو مغل دور کے کلچر کے نمایندہ ہیں اور حافظ و خیام ایران میں صفوی دور کے کلچر کے نمایندے ہیں۔

فیض احمد فیضؔ نے بھی تہذیب اور کلچر کو ایک ہی مفہوم میں استعمال کیا ہے:

> ''ہر قوم کی تہذیب یا کلچر کے تین پہلو ہوتے ہیں۔ ایک اُس قوم کے اقدار و احساسات اور عقائد جن میں وہ یقین رکھتی ہیں۔ دوسرے اس کے رہن سہن کے طریقے، اس کے آداب اور اس کے اخلاقِ ظاہری اور تیسرے اُس کے فنون یہ تینوں ایک دوسرے سے منسلک ہوتے ہیں، جنھیں ایک دوسرے سے جُدا نہیں کیا جاسکتا اور ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر جس معاشرے میں لوگ اپنی زندگی بسر کرتے ہیں، وہ معاشرہ جن چیزوں کو عزیز رکھتا ہے یا جن کو مقدس یا مستحسن سمجھتا ہے۔ اس کے مطابق وہ اپنی زندگی ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے اور پھر جب اس معاشرے کی صورت اور اس کے حالات بدلتے ہیں، تو یہ اقدار بھی اُس کے ساتھ بدل جاتی ہیں اور پھر انھی عقائد اور احساسات کا اظہار مختلف فنون کرتے ہیں، لیکن ان فنون سے بھی لوگوں کے جذبات اور احساس میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ ان میں ترمیم ہوتی رہتی ہے، چناں چہ یہ تینوں عوامل ایسے ہیں جو ایک دوسرے پر اثر انداز بھی ہوتے ہیں اور آپس میں منسلک بھی رہتے ہیں۔''(۶)

پاکستانی کلچر کے حوالے سے بات کرتے ہوئے فیضؔ نے اِس کے دو اجزائے ترکیبی پر بحث کی ہے۔ ایک پاکستانیت اور دوسرا اسلامیت یا مسلمیت۔ پاکستانیت کا تصور پاکستان کی جغرافیائی حدود تک محدود ہے، جبکہ اسلامیت کا تصور عالمگیر ہے، جو کسی بھی قسم کی جغرافیائی حدود کی پابندی سے آزاد ہے، یعنی پاکستان کے علاوہ بھی دنیا میں پچاس کے قریب مسلم ممالک موجود ہیں، مگر اِن تمام ممالک میں اسلامیت کے تصور سے ہٹ کر اپنا اپنا مخصوص رنگ نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ فیضؔ نے قومیت اور اسلامیت کے تصورات کو ایک دوسرے کی ضد قرار دیا ہے۔ تاریخ، جغرافیہ اور معاشرے میں کلچر کی رسائی، قومی کلچر یا تہذیب کے نمایاں خصائص ہیں۔

فیضؔ لکھتے ہیں:

> ''جس ملک میں اسلام پہنچا، اسلام کی وجہ سے وہاں چند ایک باتیں، چند ایک خوبیاں یا

اوصاف پیدا ہوئے۔لیکن اِس کے ساتھ ہی ساتھ وہاں مقامی تہذیب تباہ نہیں ہوئی، بلکہ اِس کی ترمیم ہوئی۔نتیجہ اِس کا یہ ہے کہ جتنے اِسلامی ممالک ہیں، اُن کی اپنی اپنی تہذیب الگ ہے۔ اگرچہ اِن میں اِسلامی خصائص مشترک ہیں۔چناں چہ ہم اپنی تہذیب کو ایرانی تہذیب اِس لیے نہیں کہہ سکتے کہ ہماری زبان ایرانیوں کی سی نہیں ہے۔ ہماری مصوری، ہمارے ادب کا ایرانیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔صرف چند ایک چیزیں مشترک ہیں۔ چناں چہ ہم کلی طور پر کسی ایک قوم کی تہذیب کو کسی دوسری قوم کی تہذیب کے ساتھ منطبق نہیں کر سکتے۔خواہ اُن کا دین اور بہت سی خصائص مشترک ہوں۔''(۷)

ڈاکٹر شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

"In its very nature, Islamic culture is cosmopolitan. Islam does not emphasize national divisions, and a Muslim is heir to all that is good in the culture of al Islamic countries and indeed of the whole world."(8)

تہذیب کے مسائل پر بحث کرتے ہوئے فیضؔ نے تین پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔پہلا مسئلہ اُن کے نزدیک تہذیب کی شناخت (Identity) کا ہے، جس میں ارتباط اور اتحاد کے امکانات کیسے پیدا ہوں گے، پر بحث کی گئی ہے۔اِس حوالے سے نہ صرف مختلف ممالک کے مابین کلچر کی شناخت کو برقرار رکھنے کا مسئلہ درپیش ہے ، بلکہ ایک ہی ملک میں رہتے ہوئے مختلف علاقائی کلچرز کے ہوتے ہوئے ایک مرکزی یا قومی کلچر کی شناخت کا مسئلہ بھی موجود ہے۔دوسرا مسئلہ جغرافیائی حدود کی شکل میں موجود ہے،جس میں تہذیب کی سطح کو بلند کرنا اور پسماندگی کو دور کرنا جیسے مسائل کا سامنا ہے۔تیسرا مسئلہ معاشرتی پہلوؤں پر مشتمل ہے،جس میں معاشرتی نظام کی تشکیل ، امرا وعوام کے مابین فرق کے خاتمے جیسے معاملات پر بحث کی گئی ہے،جس سے فیضؔ کی ترقی پسندی اور مارکسیت واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہے اور اِس کا براہِ راست تعلق تہذیبی وسعت کے ساتھ ہے۔

ڈاکٹر سید عابد حسین مشترک تہذیب کے متعلق لکھتے ہیں:

''تصورات ،نظریات اور عقائد کسی مقام کے پابند نہیں ہوتے ، بلکہ ملک ،نسل، قوم کی حد سے گزرتے ہوئے دنیا کے ایک حصے سے دوسرے حصے میں پہنچ جاتے ہیں لیکن مقامی عنصر کسی ایک خطے یا ملک تک محدود رہتا ہے۔ہر ملک میں عموماً تصوری ، تہذیبی عناصر تو مختلف قسم کے موجود ہوتے ہیں لیکن واقعی عناصر یعنی جغرافیائی اور معاشی حالات ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں۔ جب کسی ملک کی مخصوص اور مشترک تہذیب کا ذکر ہو تو اِس سے مراد یہی جغرافی اور معاشی حالات اور اِن کے اثرات ہوتے ہیں۔ یہ اثرات صرف مادی چیزوں ہی کی شکل میں ظاہر نہیں ہوتے ، بلکہ ایک خاص ذہنی فضا بھی پیدا کر دیتے ہیں جو ملک کے باشندوں کے

عام احساس اور مزاج کو ایک ہی سانچے میں ڈھال دیتی ہے۔خواہ ان میں عقائد و اصول کا کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو۔ یہ عام مزاج اور ذہن جسے ہم ملکی روح کہہ سکتے ہیں، مشترک تہذیب کا سب سے اہم ماخذ ہوتا ہے۔''(۹)

سید سبطِ حسن تہذیب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''کسی معاشرے کی با مقصد تخلیقات اور سماجی اقدار کے نظام کو تہذیب کہتے ہیں۔تہذیب معاشرے کی طرزِ زندگی اور طرزِ فکر و احساس کا جوہر ہوتی ہے۔چناں چہ زبان، آلات واوزار، پیداوار کے طریقے اور سماجی رشتے، رہن سہن، فنونِ لطیفہ،علم و ادب، فلسفہ و حکمت،عقائد و افسوں،اخلاق و عادات،رسوم و روایات عشق ومحبت کے سلوک اور خاندانی تعلقات وغیرہ تہذیب کے مختلف مظاہر ہیں۔''(۱۰)

Carroll Quigley سویلزیشن کے بارے میں لکھتے ہیں:

"A civilization is complicated, in the first place, because it is dynamic; that is, it is constantly changing in the passage of time, until it has perished. Furthermore a civilization is a part of social sciences; that is, it contains subjective elements, and these are usually the more important elemnets is the culture. Accordingly, in a civilization, unlike a crystal what people think or feel can influence what exists, changing the objects completely in the process. In the third place, many aspects of a civilization are continua, existing in such subtle gradations and in such varied degrees of abstratness that the divisions we make in it, in the course of our analysis, and the words we use a symbols to refer to our analytical divisions reflect only very roughly the situation that exists in the reality itself."(11)

سیکھنے کا رویہ کلچر میں شامل ہے۔ اس میں اشتراک کا پہلو بھی موجود ہے۔ اس طرح معاشرتی زندگی میں انسان اپنی عادات و اطوار دوسروں سے Share کرتے ہیں۔ اقدار، احساسات، رہن سہن کے طریقے اور اس کے ادب و آداب اور اخلاقیات ایک دوسرے سے سیکھتے ہیں۔ ان کا اظہار فنون لطیفہ کے ذریعے ہوتا ہے۔ کلچر میں زبان سیکھ کر انسان دوسرے معاشروں کی ثقافتوں کی فہم بھی حاصل کرتے ہیں۔ زبان کے ذریعے کلچر کی عزیز ترین

چیزوں کا اظہار بھی کیا جاتا ہے۔ کلچر کے اجزائے ترکیبی جتنے بھی ہیں، اُن کو ایک دوسرے سے جُدا نہیں کیا جاسکتا۔ کسی بھی قوم کے لیے جغرافیہ، علاقہ یا ملک ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس قوم کی تاریخ اور تاریخی عوامل بھی معاشرت پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ کسی بھی معاشرے کے کلچر کا ہونا بنیادی اور لازمی بات ہے، اگر کلچر ہوگا تو تہذیب بھی ہوگی اور اگر کلچر ہی نہیں ہوگا تو تہذیب بھی نہیں ہوگی۔ کلچر کے pattern میں originality نہیں رہتی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انسان جس معاشرے میں رہتا ہے اگر وہ معاشرہ ملٹی کلچرل ہے تو وہاں سے بہت کچھ لین دین کرتا ہے۔ اس میں مختلف عناصر و عوامل داخل ہوجاتے ہیں۔ تہذیب کی اشیا میں original form برقرار رہ سکتی اور ان میں ترقی، ارتقا اور پہلے سے بہتری بھی ہوتی رہتی ہے جب کہ کلچر میں شعر و ادب کی مثال ملاحظہ کی جاسکتی ہے، میر تقی میرؔ جو اپنے عہد کی معاشرت کے نمایندہ شاعر ہیں، ان کی شاعری میں بہتری نہیں پیدا کی جاسکتی۔ اگر تہذیب کا کوئی مظہر ہو تو اس میں پہلے سے بہتری لائی جاسکتی ہے۔ اس میں جدید طرزِ احساس کی آمیزش سے نئے اسالیب پیدا کیے جاسکتے ہیں۔ عالمی منظرنامے میں فنِ تعمیر کی مثالیں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں، جہاں عمارتوں کے ڈیزائن میں مقامی ذہن کی کارفرمائی سے تنوع اور تغیرات کی مختلف صورتیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔

جب کسی شخص کے اخلاقی معیار، شایستگی و ناشایستگی کا اندازہ مقصود ہوتا ہے تو اُس کے اندازِ تکلم کے بعد اس کے بارے میں کوئی رائے طے کرلی جاتی ہے۔ اسی طرح ایک ملک یا قوم یا علاقے سے اس شخص کے تعلق پر غور کیا جاتا ہے۔ وہ اس لیے کہ وہ جس علاقے، ملک یا معاشرے سے تعلق رکھتا ہے، اس کے کلچر کا نمایندہ ہے۔ ہر فرد جس طبقے سے تعلق رکھتا ہے، اُسے اس کی ہر چیز جان سے عزیز ہوتی ہے اور اس کا طبقہ یا گروہ اُس کے معاشرے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس طرح فرد کا انحصار اپنے طبقے کے کلچر پر ہوتا ہے اور اس طبقے کے کلچر کا انحصار اس کی سوسائٹی کے کلچر پر ہوتا ہے۔ اس طرح فردِ واحد اپنے کلچر کی نمایندگی کرتا ہے۔ اس کی شناخت اپنے معاشرے کے کلچر کی صورت میں متعین ہوتی ہے۔ فیض احمد فیضؔ قومی کلچر یا تہذیب کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح کلچر اور تہذیب کے حدود اور امتیازات ختم ہوجاتے ہیں۔ وہ کلچر کی جگہ تہذیب اور تہذیب کی جگہ کلچر کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔

وہ کلچر کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''بعض اوقات ہم کلچر سے محض روز مرہ، رہن سہن اور طریقِ زندگی مراد لیتے ہیں۔ بعض اوقات عقائد اور دین و مذہب اور بعض اوقات محض فن ادب، لیکن یہ بات بہرصورت مسلم ہے کہ قومی تہذیب کے تعیّن میں ان اجزا کا باہمی رشتہ، ان کی اہمیت یا غیر اہمیت، ان کی تقدیم و تاخیر کچھ بھی قائم کر لیجیے۔ انھیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا اور قومی تہذیب کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ان کی مجموعی شکل و صورت ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ اس مجموعے کے بنیادی اجزا کیا ہیں، اوّل وہ سب عقیدے، قدریں، افکار، تجربے، اُمنگیں (Ideals) یا آدرش جنھیں کوئی انسانی گروہ یا برادری عزیز رکھتی ہے۔ دوم:- وہ آداب، عادات، رسوم اور

طور، اطوار جو اس گروہ میں رائج اور مقبول ہوتے ہیں۔ سوم: وہ فنون، مثلاً ادب، موسیقی، مصوری، عمارت گری اور دستکاری جن میں بھی باطنی تجربے، قدریں، عقائد، افکار اور ظاہری طور، اطوار بہت ہی مرصّع اور ترشی ہوئی صورت میں اظہار پاتے ہیں۔''(۱۲)

کلچر سے مراد ہمیشہ وہی عناصر وعوامل لیے جاتے ہیں جن کے ساتھ کسی معاشرہ کے افراد کی ذہنی وابستگی یا فکری رشتہ ہوتا ہے۔ ذہن وفکر کا رشتہ باطنی نوعیت کا ہوتا ہے۔ اس میں افکار وتصورات اور نظریات کی شمولیت ہوتی ہے۔ معاشرتی زندگی میں انسان کے پاس سیکھنے کی صلاحیت اور رویے ہیں۔ وہ کلچر، معاشرتی زندگی میں انسانوں سے سیکھتا ہے۔ اپنے سے پیش رو انسانوں کے تجربات اس کی تربیت کرتے ہیں۔ اسے کلچر کی فہم سے مالا مال کرتے ہیں۔ کلچر سیکھنے کا عمل ماورائی یا مابعد الطبیعیاتی نہیں بلکہ خالصتاً سماجی نوعیت کا حامل ہے۔ علاقائی ثقافتیں جب قومی یا ملّی دھارے یا ملکی دھارے کا حصہ بن جاتی ہیں تو وہ اپنے ملک کی ترجمان ہوتی ہے۔ جب وہ اپنے ملک کی ترجمان ہوتی ہیں تو فی الاصل وہ اپنے ملک کے کلچر کی نمایندگی کرتی ہیں۔ اس طرح انسان غلط کام نہیں کرتا۔ بُرائی کا جو عالمی معاشروں کا عمومی معیار ہے۔ اس سے دامن بچاتا ہے۔ وہ اس لیے کہ اس کے ملک کی عزت کا معاملہ ہے۔ یہی وہ نہج ہے جب ایک فرد اپنے ملک کے کلچر کی نمایندگی کررہا ہوتا ہے۔ اس کے پاس اعلیٰ اخلاق ہوتا ہے۔ وہ عمدہ ترین Manners کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس کے پاس بہترین Etiquettes ہوتے ہیں۔ وہ اپنے کامل ترین شعور کی ارفع سطح پر ہوتا ہے۔ وہ معاشرتی آداب واخلاق سے کام لیتا ہے۔ اس کے سارے اعمال کے پیچھے اس کے ملک ومعاشرے کا کلچر کارفرما ہوتا ہے۔ وہ یہ بھی سوچتا ہے کہ میں بُرا کیوں بنوں! میرا امیج کیوں خراب ہو۔ فیض احمد فیضؔ سے ایک تسامح واقع ہوا ہے، وہ یہ کہ اُنھوں نے عمارت گری اور دست کاری کو بھی کلچر ہی میں شامل کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عمارت گری اور دست کاری تو تہذیب کے مظاہر ہیں۔ ان کا زندگی کے داخلی اظہار سے تعلق نہیں بنتا۔ ان کا زندگی کے خارجی اظہار سے تعلق ہے۔ اس لیے انھیں کلچر کے اجزا میں شامل کرنا، کلچر اور تہذیب کے حدود اور امتیازات کو باہم آمیز کرنے کے مترادف ہے۔ اس طرح تہذیب اور ثقافت کے مباحث کی فہم میں پیچیدگی پیدا ہوجائے گی۔ علاقائی کلچر کے اجزائے ترکیبی بھی وہی ہیں اور ملکی وقومی یا ملّی کلچر کے اجزائے ترکیبی بھی کلچر کی داخلی قلبِ ماہیت کے حامل ہیں۔ کلچر کی فہم اس کی پیچیدہ کُلیت کے مطالعہ کے بغیر حاصل نہیں کی جاسکتی۔ کلچر کے ہر نظام کے اندر نظام موجود ہے جیسے اُردو شاعری میں تصوف کی روایت یا پھر یوں کہا جاسکتا ہے کہ اُردو شاعری میں خواجہ میر دردؔ نے تصوف کی روایت قائم کی یا تصوف کا رُجحان اُردو شعر وادب میں خواجہ میر درد کے وسیلے سے آیا۔ اس طرح ایک روایت قائم ہوئی۔ اس روایت کا مطالعہ بھی تصوف کی اخلاقیات اور تصوف کے مکمل نظام کی روشنی میں ہی ممکن ہے۔ اسی طرح علوم وفنون کے کسی بھی شعبہ، کا مطالعہ وتجزیہ اس کی Terminology کی فہم حاصل کرنے کے بعد کلیت میں ہی کی جاتا ہے۔ جُزوی طور پر استخراج نتائج ثقہ اور استناد کے حامل نہیں ہوں گے۔ اسی طرح کلچر کی فہم بھی کلیت میں حاصل کی جاتی ہے۔ جُزوی طور پر کلچر کو سمجھنا نہایت پیچیدگی کا باعث بن سکتا ہے۔ فرد کا کلچر درحقیقت، اس کے طبقے کے کلچر پر منحصر ہوتا ہے اور طبقے کا کلچر اس طبقے کی سوسائٹی پر منحصر ہوتا ہے۔ اس

طرح ایک نامیابی ربط و تعامل اور رشتوں کا نظام قائم ہوجاتا ہے۔ رشتوں کے نظام کی فہم بھی کلچر کی فہم کے لیے ضروری ہے۔ ہر کلچر کا سچ، جھوٹ، خیر وشر، نیکی، بدی کی پیمایش کے اپنے اصول و معیارات ہوتے ہیں۔ ہر کلچر کے اپنے ضابطوں کا نظام ہوتا ہے، روایات، آدرش، اُمنگیں، اخلاقیات، رویوں کا نظام، رُسومیات، زبان، شعر و ادب، فنونِ لطیفہ (آرٹ) اعتقادات، افکار و تصورات، نظریات، تجربات، ادب و آداب اور طور اطوار ان تمام عناصر کا تعلق انسان کی ذہنی وفکری زندگی سے ہے۔ مذکورہ تمام عناصر کلچر کے اجزائے ترکیبی ہیں اور یہ کسی بھی معاشرے کے افراد کی داخلی وفکری زندگی کے اظہار سے متعلق ہیں۔ ان سے کسی بھی معاشرت کا کلچر مرکب ہوتا ہے۔ مذکورہ عناصر معاشرتی زندگی کے نظام کا حصہ ہیں۔ ان میں مربوط ومنظّم عمل، اوصاف و کمالات ہی درحقیقت کلچر ہے۔ اسی لیے کلچر اکتسابی ہے، سیکھا جاتا ہے۔

میر اور غالب اگر بڑے شُعرا ہیں تو اس میں ان کے عہد کی معاشرت اور اس معاشرے کے کلچر کے ساتھ ساتھ ان کے تخلیقی جوہر، وفور اور تخلیقی تجربات اور Poetic Potential کا کمال ہے۔ میر و غالب کو جو زمانہ میسر آیا، اس زمانے کا کمال ہے، اس معاشرت کا کمال ہے، اس عہد کی ثقافتوں پر میر و غالب پورے اُترے تو میر و غالب بڑے شاعر بنے۔ اس لیے وہ اپنے کلچر کے نمایندے ہیں۔ شیکسپیئر اگر موجودہ یورپ میں ادب تخلیق کررہا ہوتا تو وہ کبھی شیکسپیئر نہ ہوتا۔ اس کو جو زمانہ میسر آیا۔ اس زمانے، عہد، معاشرت، کلچر، طرزِ احساس اور بہت سارے عناصر وعوامل نے اُسے شیکسپیئر بنایا۔ چوں کہ ہر عہد کا اپنا تناظر اور اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔ میر اور غالب بھی اگر اپنے زمانے میں نہ پیدا ہوئے ہوتے تو وہ کبھی میر اور غالب نہ بن پاتے۔

ایک فرد کو جیسا ماحول میسر آتا ہے۔ ویسا ہی اس کا کلچر اور اسی طرح کا اس طبقے کا کلچر ہوتا ہے۔ اگر ایک فرد پسماندہ علاقے میں رہتا ہے اور اس معاشرے کی حالت نہایت پسماندہ ہے، اس کا کلچر بھی ویسا ہی ہوگا۔ کلچر درحقیقت معاشرے کی باطنی زندگی کی عکاسی کرتا ہے اور تہذیب کا کام معاشرے کی ظاہری حالت کی آئینہ داری ہوتا ہے۔ فیض احمد فیضؔ نے ادب کے کلچر کو ہمہ جہت اور ہمہ گیر قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

> ''ادب کا کلچر سب سے ہمہ گیر، سب سے نمایندہ سب سے جامع اور سب سے جامع جُزو ہے۔ کلچر کے باطنی اور نظریاتی پہلو پر نظر ڈالیے تو مجموعی عقیدوں، قدروں، تجربوں اور اُمنگوں کا تعین اور تفسیر سب سے زیادہ ادیب ہی کے نُطق سے ہوتی ہے، وہی اس کی پریشان اور پوشیدہ صورتوں کو ترتیب اور اظہار کی صورت بخشتا ہے۔ لاشعور سے شعور، احساس سے ادراک، تصور سے تصویر تک کے منازل اسی کی مساعی سے طے ہوتے ہیں۔ کہاوتیں ضرب الامثال، گیت، قصّے، کہانیاں، اشلوک اور مناجاتیں، رزمیے، بزمیے ان سب سے شاعر، قصّہ گو اور نثر نگار نہ صرف اپنے ہم عصر، ہم قوموں کو ذہنی اور قلبی فرحت و انبساط کا سامان بہم پہنچاتا ہے بلکہ اس وسیلے سے ان کے ضابطہ قدر و اخلاق، ان کے مسلّمہ آداب و قوانین، اُن کے اُصول و عقائد کی تعریف اور تشریح بھی کرتا ہے، کسی نہ کسی حد تک دوسرے فنون کے اہلِ کمال

بھی یہی کام سرانجام دیتے ہیں۔ عمومی قدروں، عقیدوں اور آداب و اطوار کی جھلک مصوّر کے مُوقلم، موسیقار کے ساز اور رقاص کی جنبش اعضا میں بھی شامل ہوتی ہے، لیکن اظہار کے یہ سارے ذرائع ادب کے مقابلے میں مبہم اور محدود ہیں۔ ان کا اظہار بیشتر اشاریت اور رمزیت پر ہوتا ہے اور باطنی تصورات کے اظہار اور تعین کے لیے انھیں وہ سہولتیں میّسر نہیں جو الفاظ اور زبان کو حاصل ہیں۔'' (۱۳)

مذکورہ بالا اقتباس میں فیض احمد فیضؔ نے فنونِ لطیفہ کی تمام صورتوں پر شعر و ادب کی بالا دستی ثابت کی ہے۔ حالاں کہ کلچر کے اظہار کی صورتوں میں رقص، موسیقی، مصوری، خطاطی وغیرہ سبھی شامل ہیں۔ باوجود اس کے فیض احمد فیض اس امر کے قائل ہیں کہ شعر و ادب کو اس لیے ان فنون پر تفوق حاصل ہے چوں کہ شعر و ادب کا اظہار زبان کے ذریعے ہوتا ہے۔ شعر و ادب کا اظہار اگرچہ زبان کے ذریعے ہوتا ہے، زبان کے پیچھے جو تصورات کارفرما ہیں، وہ بھی تو کلچر ہی کے زائیدہ ہیں۔ شعر و ادب میں زبان وسیلۂ اظہار ہوتی ہے۔ زبان بھی تصورات کے اظہار پر کس حد تک قادر ہے۔ یہ بھی ایک نہایت اہم اور بنیادی سوال ہے۔ اس کا فیصلہ وقت ہی کر سکتا ہے کہ آیا شعر و ادب کو دیگر فنون پر واقعی برتری حاصل ہے یا دیگر فنونِ لطیفہ بھی کلچر کے اظہار کی داخلی صورت میں شعر و ادب کے ہم پلّہ ہیں!

حوالہ جات:

(۱) فیض احمد فیض۔ (۱۹۷۶ء)۔ ہماری قومی ثقافت، (مرتبہ: مرزا ظفر الحسن)، کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب۔ (ص۔۱۷)

(2) Jameel Jalibi, Dr., M. H. Siddiqui, Dr., Ansar Zahid Khan, Dr., Abdur Rehman, Dr. ***Pakistan Culture,*** (7th Edition) National Book Foundation, Islamabad, 2013, Page 16

(3) Eliot, Thomas Stearns, ***Notes Twowards the Definition of Culture***, Faber & Faber Ltd. London, 2010, Page 58

(۴) فیض احمد فیض۔ (۲۰۰۹ء)۔ پاکستانی تہذیب کا مستقبل، (مشمولہ: ماہنامہ، تخلیق، جلد ۴۰، شمارہ: ۲، فروری)۔ (ص ۸)

(5) Mohandas Moses & Achala Moulik, ***Dialogue of Civilizations,*** (William Jones and the Orientalists), Aryan Books International, New Delhi, 2009, Page 3

(۶) فیض احمد فیض۔ (۱۹۷۶ء)۔ ہماری قومی ثقافت، (مرتبہ: مرزا ظفر الحسن)، کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب۔ (ص۔۳۱)

(۷) ایضاً۔ (ص۔۴۲)

(8) Ikram, S. M. & Percival Spear, ***The Cultural Heritage of Pakistan***, Oxford

University Press, Karachi, 1955, Page 7

(۹) عابد حسین، ڈاکٹر، سید۔(۱۹۵۵ء)۔قومی تہذیب کا مسئلہ۔علی گڑھ:انجمن ترقی اُردو۔(ص.۲۹)

(۱۰) سبط حسن، سید۔(۱۹۷۷ء)۔پاکستان میں تہذیب کا ارتقا۔کراچی:مکتبۂ دانیال۔(ص. ۱۳)

(11) Carrell Quigley, ***The Evolution of Civilizations***, Macmillan Company, New York, 1961, Page 85

(۱۲) فیض احمد فیض۔(۱۹۶۵ء)۔ میزان۔کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ۔(ص. ۱۵۴)

(۱۳) ایضاً۔(ص. ۱۵۷)